ڈاکٹر نوید شہزاد
استاد شعبہ پنجابی، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

'آگے سمندر ہے': ایک نقطہ نظر

Dr Naveed Shehzad

Department of Punjabi, University of Punjab, Lahore

"Agey Smandar Hey":A Perspective

This article tries to analyze a well-known novel by distinguished Urdu author Intezar Hussain in a new perspective. Refugees, major characters of the novels, are analyzed in their linguistic, political and provincial perspective.

ہندوستان کی سرزمین پر انسانی زندگی کو حملہ آور فرنگی نے کئی سطحوں پر تقسیم کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تقسیم در تقسیم کرتا چلا گیا۔ یہاں کے لوگ کئی بنیادوں پر مختلف حصوں میں بانٹ کر تضادات کے سپرد کر دیے گئے۔ تضاد کے انہی سلاسل میں سے ایک صوبوں کے درمیان اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات نو آبادکار کے فراہم کردہ نظام کی وجہ سے مزید بڑھتے گئے۔ پنجاب، سندھ تضاد بھی انہیں میں سے ایک ہے۔ جسے فرنگی کے پیدا کردہ استحصالی طبقے نے مزید ہوا دی چونکہ ان کی بقا اسی میں تھی۔ تقسیم کے بعد پنجاب، سندھ تضاد کی دو بنیادی سطحیں سامنے آتی ہیں۔ ایک پنجابی اور سندھی قوم کے درمیان جبکہ دوسری سطح پنجابی اور اردو قوم (جو سندھ میں مقیم ہے) کے بیچ۔ جزوی سطح پر قائم اس تضاد کی پہلی سطح کو معروف سندھی افسانہ نگار نسیم کھرل کے سندھی افسانے ''مکسڈ گرل'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جب ابنِ سندھ (سندھی سپیکنگ ملازم) اپنے مالک عربی شیخ سے کہتا ہے کہ ''یا شیخ آپ کی یہ دو بیویاں ہی ہیں''۔ تو عربی شیخ کہتا ہے ''میری خواہش ہے کہ میں تیسری شادی تمہارے ملک میں کروں'' تو ابنِ سندھ جواب دیتا ہے ''یا شیخ آپ تیسری شادی لاہور (پنجاب) میں کریں کیونکہ آپ کی چوٹ تو وہی (پنجابنیں) سہہ سکتی ہیں۔ لاہور کے حسن کے کیا کہنے، بلّے بئی بلّے''۔[۱] اور اس تضاد کی دوسری سطح پر وفیسر فتح محمد ملک کی اس رائے کے ذریعے دیکھیں جو اُنہوں نے 09-1908ء کے روزنامہ ''پیسہ اخبار'' لاہور میں اردو، پنجابی تنازع کے حوالے سے لکھے گئے جالب دہلوی کے اداریے/ مضامین کے پس منظر میں تحریر کی ہے: ''پنجابی اردو کا پرانا روپ ہے اور اردو پنجابی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ پنجابی کے ترقی یافتہ روپ یعنی اردو کو چھوڑ کر اردو کی ابتدائی شکل یعنی پنجابی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے پیچھے مسلمانوں کے خلاف سازش کارفرما ہے..... پہلے تو علمی زبان بنانے کے بہانے پنجابی میں سنسکرت الفاظ کی بھرمار کر دی جائے گی اور پھر اس کا ''قرآنی'' رسم الخط، گورمکھی رسم الخط سے بدل دیا جائے گا''۔[۲]

نسلی/ زبان کی بنیاد پر قائم موجودہ سندھ کی دو بڑی اقوام سندھی و اردو (مہاجر) کے درمیان بھی یہی تضاد قائم ہے۔ جس کا اظہار قوم پرست سندھی رہنما ڈاکٹر قادر مگسی یوں کرتے ہیں: ''جو ہندوستانی (اردو سپیکنگ) مسلمان اُٹھتا ہے منہ

اُٹھائے کراچی/سندھ چلا آتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جناب رسول ﷺ مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے اور زندگی کا اہم حصہ مدینہ منورہ میں گزارا۔ جس ہندوستانی کو اسلام سے اتنی محبت ہے وہ سعودی عرب جائے، یہاں کیوں آتے ہو؟ ہمیں کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے''۔ (۳)

جبکہ دوسرا نقطہ نظر وہ ہے جو پاکستانی سندھ (یعنی موجودہ سندھ) کی نسلی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے وجود میں لایا گیا۔ جسے جزوی سطح پر قبولیت کے علاوہ سندھ کی کچھ سیاسی جماعتیں بھی اپنائے ہوئے ہیں۔ اس نقطہ نظر کو ''سندھ کے نسلی مسائل'' کے مصنف شہزاد منظر کے حوالے سے رشید جمال نے یوں بیان کیا کہ: ''مہاجر (اردو سپیکنگ) کسی امتیاز اور شرط کے بغیر سندھی ہیں کیونکہ سندھی تشخص کی کسوٹی نسب، مذہب یا زبان نہیں بلکہ بنیادیں ہیں، سندھ میں آباد دوسرے نسلی گروہوں مثلاً پنجابیوں اور پختونوں کے بارے میں سندھی دانشوروں کا موقف مختلف ہے۔ ان کی ''بنیاد'' والی کسوٹی پر یہ نسلی گروہ پورے نہیں اُترے تھے۔ اس اصول کا اطلاق پنجابیوں پر نہیں کیا جا سکتا اور نہ سندھی شناخت کے وسیع تر تصور کے تحت پنجابی سندھی تسلیم کیے جا سکتے ہیں۔ انہیں (یعنی پنجابیوں کو) سندھ سے نکال دینا چاہیے اور زرعی اراضی فرزندانِ وطن سندھیوں کو واپس کر دینی چاہیے''۔ (۴)

یہ تمام آراء اور نقطہ نظر اپنی جگہ مگر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم سب پاکستانی بھی ہیں۔ یہ وہ بنیاد ہے جو اجتماعی سطح پر ہماری بقا کی ضامن ہے۔ اسی فضا کے پس منظر میں انتظار حسین کے ناول ''آگے سمندر ہے'' کو دیکھتے ہیں جس میں اوپر دی گئی مختلف آراء، مختلف انداز کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔

جو ابھی آشیانے میں آشیانے کی تلاش میں تھے، مصنف ہجرت کر کے پاکستان آنے والے اُن مہاجرین کے حوالے سے لکھتا ہے کہ وہ شناساؤں کو دیکھتے تو خوش ہوتے مگر:

> ''بچھڑے ہوئے اس حد تک خلوص سے ملتے تھے۔ مگر جب درمیان میں تھوڑی مدد اور سہارے کا سوال آ جاتا تو پھر اسی تیزی سے یا ایک دوسرے سے کنی کاٹ جاتے۔ کون کس کی مدد کرتا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ مگر مصباح دوسرے مزاج کا نکلا۔ اصل میں ہم دونوں کا کالج میں ساتھ رہا تھا اور ایک قافلہ میں شامل ہو کر سپیشل میں سوار ہوئے تھے۔ صرف دو نہیں اچھا خاصا ایک گروپ تھا۔ لاہور تک کا پُر خطر سفر اکٹھے کیا۔ لاہور سٹیشن اُتر کر تتر بتر ہو گئے۔ جس کے جدھر سینگ سمائے ادھر نکل گیا۔ گھوم پھر کر خواری کے بعد سب ہی کراچی پہنچ گئے''۔ (۵)

جواد نامی اس کردار کی ابتدائی گفتگو بے سروسامانی کے شکار مہاجرین کی جو تصویر پیش کرتی ہے وہ عام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ مگر آخری جملہ کہ ''گھوم پھر کر خواری کے بعد سب ہی کراچی پہنچ گئے'' پنجاب اور پنجابیوں کے اجتماعی مزاج کے خلاف ہے۔ لاہور میں خواری کاٹنے کے ذکر سے یہ تاثر نہیں ملتا کہ ان مہاجرین کے ساتھ اسٹیبلشمنٹ کا برتاؤ ٹھیک نہ تھا بلکہ اس میں عام لاہوریوں/ پنجابیوں کی تنگ نظری کی طرف اشارہ ہے۔ مگر تمام مہاجرین (اردو سپیکنگ) کے کراچی پہنچنے پر ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا سلوک تھا، جواد اور مصباح کے اس مکالمے میں دیکھئے:

> ''ارد گرد کتنی جھگیاں تھیں..... جھگی پر قبضہ کے لئے کیسے کیسے جتن کرنے پڑتے تھے اور کیا کیا لڑائیاں ہوتی تھیں۔ جو جھگی پر قابض ہو جاتا جانتا کہ اس نے ملک فتح کر لیا..... بہت ہی زٹیل ہوں گے کہ جھگیوں میں پڑے رہ گئے۔ ورنہ یاروں نے دیکھتے دیکھتے آسمان میں تھگلی لگائی اور مقامات بلند کو جا چھوا .....تو جھگیوں کا زمانہ دیکھنے میں مختصر تھا مگر وہ ایک عہد ساز دور تھا۔ اور اگر مجو بھائی کی بات مان لی جائے تو کراچی کا اصلی زمانہ وہی تھا۔ ''پیارے یہ جو آج کا کراچی ہے وہ تو جھگیوں کے خمیر سے اُٹھا ہے''۔

''سبحان اللہ'' میں ہنس پڑا۔

''ہنسے کی بات نہیں ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ یہ جو ایرا غیرا اپنے آپ کو کراچی والا بتانے لگتے ہیں ان پر مت جاؤ۔ اصلی کراچی والا وہ ہے جس نے جھگی میں بسر کی ہے''

''جو پرانے کراچی والے ہیں وہ تو کراچی والے نہ ہوئے''۔

''یار جواد، یہ تمہاری بہت بُری عادت ہے۔ ہتھے پہ ٹوک دیتے ہو۔ میں تو تازہ واردان بساط ہوائے دل کی بات کر رہا ہوں۔ چار دن کراچی میں رہتے ہیں۔ پانچویں دن کراچی والے بن جاتے ہیں''

''مجو بھائی اس میں کچھ کراچی کا بھی تو قصور ہو گا۔ لاہور میں تو کوئی چار دن رہ کر لاہوریا نہیں بن سکتا۔.....بہر حال میرے کراچی والا ہونے سے تو مجو بھائی انکار نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے تو جھگی میں بسر کی تھی''۔(۶)

ایک تو یہ طے ہوا کہ خود غرضی اور نفسا نفسی کا عالم تھا۔ دوسری بات موجودہ کراچی شہر کی بنیاد مہاجرین کے بسائے گئے جھگیوں کے شہر پر قائم ہے۔ اور ''اصلی'' کراچی کے مالک وہی ہیں جو ان جھگیوں میں مقیم رہے۔ پہلے سے کراچی میں بسنے والے سندھیوں کو بھی کراچی والا مان لیا گیا ہے مگر ''تازہ واردان بساط ہوائے دل'' پنجابی، بلوچ اور پشتونوں کو کراچی والا ماننے سے انکار کیا گیا ہے۔ پھر اہلیانِ کراچی (مہاجرین) کی فراخ دلی اور لاہوریوں (پنجابیوں) کی تنگ دلی اور نسلی تعصب کو سامنے لانے کے لئے جواد کہتا ہے ''اس میں کراچی کا بھی تو قصور ہو گا۔ لاہور میں تو کوئی چار دن رہ کر لاہوریا نہیں بن سکتا''۔ صرف سندھی اور مہاجر (اردو سپیکنگ) کراچی والے ہیں یہ نقطۂ نظر پہلے پہل مہاجرین یا ان کے نمائندوں کا نہ تھا۔ بلکہ ابتداء میں صرف مہاجر ہی اپنے آپ کو کراچی والا مانتے تھے۔ جب مہاجرین کے نمائندگان نے سیاسی حوالے سے اپنے آپ کو صوبائی سطح پر متعارف کروانے کا منصوبہ بنایا تو تب یہ پہلا نقطۂ نظر وجود میں لایا گیا۔ پھر اس کے بعد وفاق تک مناسب رسائی حاصل کرنے کے لئے تیسرا نقطۂ نظر کہ سب صوبوں سے تعلق رکھنے والے کراچی والے ہیں، سامنے آیا مگر جزوی یا ظاہری سطح پر۔ مجو بھائی جب جواد سے کہتے ہیں کہ:

''کان دھر کر سنو۔ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ امر واقعہ سناتا ہوں۔ جواد میاں یہ شہر ست خصمی شہر ہے۔ سندھی، پنجابی، بلوچ، پٹھان، مہاجر.....یاروں نے یہ شہر بسایا ہے یا کھچڑی پکائی ہے''۔(۷)

تو دوسرے لفظوں میں وہ اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ اس شہر میں صرف ایک ہی نسلی گروہ ہونا چاہیے تھا۔ مگر مجو بھائی کا یہ کہنا:

''مہاجر کی کوئی ایک قسم تھوڑا ہی ہے۔ کوئی پورب کا، کوئی پچھّم کا، کوئی اتر سے آیا، کوئی دکن سے چلا۔ سارے ہندوستان سے ندیاں بہتی شور کرتی آئیں اور اس سمندر میں آ کر رل مل گئیں۔ مگر ریلیں ملیں کہاں۔ یہی تو مصیبت ہے۔ ہر ندی کہتی ہے کہ میں سمندر ہوں''۔(۸)

مطلب یہ کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے مہاجر پاکستان میں آنے کے بعد بھی ذات پات اور حسب نسب کے قدیم نظام سے باہر نہیں نکل پائے۔

اس کے بعد ایک پنجابی سپیکنگ کردار رفیق سامنے آتا ہے۔ جو مجو بھائی سے کہتا ہے کہ:

''اب ذرا ہمارے عزیزوں کی بھی سن لو۔ کراچی آنا ہوا تو ہمیں بھی ملاقات کا شرف بخشنا۔ گھر پہ آئے تو پہلے تو ہماری بیگم صاحبہ کے لب ولہجہ پر تھوڑے پریشان ہوئے۔ مگر اس سے زیادہ پریشان وہ اس بات پر تھے کہ اس خانہ خراب نے کراچی کے کون سے علاقے میں گھر بسایا ہے۔ بیگم صاحبہ ادھر اُدھر ہوئیں تو رازدارانہ بولے،

پاجی، تُسی تو نرغے میں ہو۔ یاں سے نکلو، کسی محفوظ علاقے میں جگہ تلاش کرو۔ میں نے کہا کہ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جہاں بھی جاؤں گا نرغے ہی میں رہوں گا۔ پوچھا، ایہ کیہ کہندے او۔ میں نے کہا، گھر والی لکھنؤ والی ہے، کمبخت بچے سب اہل زبان ہیں۔ سو میں تو گھر کے اندر بھی نرغے ہی میں ہوں''۔ اور اس کے ساتھ ہی قہقہہ۔

اب ہمارے چھوٹے صاحبزادے کی سنو۔ میں ان مہمانوں سے پنجابی میں باتیں کر رہا تھا۔ صاحبزادے حیرت سے میرا منہ تک رہے تھے۔ جب مہمان چلے گئے تو بولے، ''پاپا یہ کون سی زبان آپ بول رہے تھے۔ میں نے کہا کہ بیٹے، یہ تمہارے باپ دادا کی زبان ہے''۔ پھر ایک قہقہہ..... ''رفیق صاحب تعجب ہے، آپ لاہور کے جدّی پشتی اور آپ کے بچے پنجابی نہیں جانتے۔ یہ کیسے؟''۔ (۹)

رفیق کے اس طویل مکالمے میں ایک پنجابی کی گفتگو سے مہاجرین کے بارے میں پنجابیوں کے ''طے شدہ'' احساسات کو سامنے لانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مگر آخر میں مجو بھائی کی وہ آخری بات غور طلب ہے جب وہ پنجابی بچوں سے اُن کی زبان چھن جانے پر حیرت اور افسوس کا واضح اظہار کرتا ہے۔ مگر اس میں آخری سوال کا جواب رفیق کی طرف سے نہیں دیا گیا۔

مہاجر ہم زبان ہونے کے باوجود بھی نسلی و خاندانی اعتبار سے اونچ نیچ کا شکار تھے۔ جس کی ایک مثال مجو بھائی کے مکالمے میں سامنے آ چکی ہے۔ اسی بات کا اظہار رفیق یوں کرتا ہے:

''یار مجو بھائی، ایک کام میں ہماری مدد کرو۔ آپ بھانت بھانت کے مہاجر کو جانتے ہیں''۔ (۱۰)

دادا میاں کا بندے علی کو یہ کہنا: ''ابوالحجاج شیخ یوسف کا قصہ تو میں آپ کو سنا ہی چکا ہوں۔ مگر پھر کیا ہوا۔ کمبخت مسلمان دین سے غافل ہو گئے۔ رنگ و نسل کے جھگڑوں میں گھر گئے''۔ (۱۱) رنگ و نسل کے امتیاز کے حوالے سے دیے گئے اوپر والے مکالمے کو سمجھنے میں مزید مدد کرتی ہے۔

بھائی اور چھوٹے میاں کا مکالمہ ہندوستان میں مقیم پاکستانی مہاجروں کے عزیز و اقارب کا ہجرت کے متعلق نقطۂ نظر کا عکاس ہے۔ اس مکالمے میں جہاں گروہی یا قبائلی طرزِ زندگی کی طرف نشاندہی کی گئی ہے وہاں یہ جملہ ''سنیں ہیں کہ شادیئیں بھی وہاں لوگوں نے غیروں ہی میں کی ہیں'' یا یہ کہ ''اپنی ٹھیک سے اکھڑنے کے بعد یہی ہوتا ہے''، بتاتا ہے کہ تمام ہندوستانی مسلمان مذہب کی بنیاد پر قائم قوم کو شعوری سطح پر تسلیم نہیں کرتے تھے اور یہ کہ وہ کسی حد تک ''دھرتی ماتا'' کے بھی مانت تھے۔ مکالمہ دیکھئے:

''پاکستان جا کے سنا ہے کہ یہی حال ہوا ہے لوگوں کا'' بڑی بھابی پھر شروع ہو گئیں ''یاں سے اکٹھے گئے۔ واں پہ جا کے ایسے تتر بتر ہوئے کہ نہ ایک دوسرے کے مرنے جینے میں شریک نہ دُکھ سُکھ میں حصہ دار۔ سنیں ہیں کہ شادیئیں بھی وہاں لوگوں نے غیروں ہی میں کی ہیں''۔

''اپنی ٹھیک سے اکھڑنے کے بعد یہی ہوتا ہے''۔ چھوٹے میاں نے پھر ایک محاکمہ کیا''۔ (۱۲)

مجو بھائی اور رفیق کے مکالمے میں پاکستانی کی تاریخ کو طنزیہ انداز میں موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ ''کھجور کا پیڑ'' اپنے اندر کئی معنوی سطحیں سمیٹے ہوئے ہے۔ عربستان کے استعارے کے علاوہ مختصر سائے اور پھل کی مشکل دسترس بھی اس کی معنوی سطحوں کا حصہ ہے۔ مکالمے کے آخر میں ''مشاعرے اور کلاشنکوف'' کا ذکر ہے۔ ناول کی ابتداء میں کراچی کے حوالے سے مشاعروں اور کلاشنکوف کلچر کا کثرت کے ساتھ کیے گئے ذکر کے پس منظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکالمے کے آخر میں ''مشاعرے اور کلاشنکوف'' کی بات خالصتاً کراچی کے حوالے سے ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہاں کراچی کی

تاریخ کو پاکستان کی تاریخ کہا گیا ہے۔ مکالمہ دیکھیں:

''تاریخ برحق۔ مگر سوال یہ ہے کہ آپ اس میں سے نکالتے کیا ہیں''۔

''جواد صاحب نے کیا نکالا''۔ رفیق صاحب مسکرائے۔

''ابھی تک تو کھجور کا پیڑ ہی اس میں سے برآمد کیا ہے''۔

رفیق صاحب نے قہقہہ لگایا ''مجو بھائی، آپ کی تاریخ میں جو ہے وہ ہی اس میں سے برآمد ہوگا۔ جواد صاحب اپنی گرہ میں سے تو اس میں کچھ نہیں ڈالیں گے''۔ رُک کر ''ویسے مجو بھائی، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پاکستان کی تاریخ کو کھنگالا گیا تو اس سے کیا برآمد ہوگا''۔

''پاکستان کی تاریخ، یارا سے بننے تو دو۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن، ابھی اس میں سے کیا برآمد ہونا ہے''۔

''ایسی بات تو نہیں ہے مجو بھائی۔ اس مختصر تاریخ سے بھی کام کی دو چیزیں تو آسانی سے برآمد ہو سکتی ہیں''۔

''وہ کیا ہیں؟''

''مشاعرے اور کلاشنکوف''

مجو بھائی اور رفیق صاحب دونوں ہی اس پر جی بھر کر ہنسے''۔ (۱۳)

مجو بھائی کے جواب میں جواد کے مکالمے کو ہمکلامی کہا جا سکتا ہے۔ اس ہم کلامی میں مہاجر مخالف طاقتوں کی طرف بھی واضح اشارہ ملتا ہے جن کے لئے ان کی ترقی اور خوشحالی ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ طاقتیں کون ہیں؟ وہ لوگ کہاں کے ہیں؟ اس کی وضاحت نہیں کی گئی مگر یہ طے ہے کہ یہ مہاجروں میں سے نہیں۔ دیکھئے:

''اس زمانے میں تو جھگیوں کو دیکھ کر عبرت ہوتی تھی کہ کیسے کیسے مکانوں کے مکین دم کے دم میں جھگی نشین بن گئے۔ مگر اب مجھے یوں لگتا تھا کہ پاکستان کا یا کم از کم کراچی کا سنہری زمانہ وہی جھگیوں کا زمانہ تھا۔ ویسے تو یوں بھی اس دور کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں یہاں نہ نقاب پوش دکھائی دیتے تھے نہ کلاشنکوف والے، نہ دن دہاڑے کاریں چھیننے والے، خیر اس زمانے میں کاریں یاروں کے پاس تھیں بھی کہاں.....زمانہ خلاف ہو کے کیا لیتا اور چھیننے والا کیا چھینتا''۔ (۱۴)

لوکل، مہاجر تضاد کیوں اور کیسے پیدا ہوا۔ Power Shairing کی لڑائی تھی یا پھر نسلی خلیج، جسے بھائی چارے کی مذہبی تعلیمات بھی پُر نہیں کر سکی۔ یہاں یہ سوال بھی اُبھرتا ہے کہ کہیں ہجرت کر کے آنے والے اپنے ساتھ غیر ضروری توقعات تو نہیں لے آئے تھے۔ مہاجر کیا سوچتے ہیں کچھ جملے دیکھیے:

''پوچھ لو ان سے، میں نے تو زمین پکڑ لی تھی''۔ ''ہاں تم نے تو زمین پکڑ لی تھی مگر زمین نے تو تمہیں نہیں پکڑا تھا''.....''اچھی بی بولیں، سوئیوں والے محلّہ میں کھم کی طرح گڑے بیٹھے تھے اور اچانک ایسے اکھڑے کہ نہ گھر رہا نہ در رہا''.....''ہاں بھائی، بس یہ سمجھو کہ زمین اچانک تنگ ہو گئی''.....''ارے بھیا، ہم نے سوچا تھا کہ اپنے ماریں گے تو چھاؤں میں تو ڈالیں گے۔ یہ کیا خبر تھی کہ اپنے غیر بن جائیں گے..... غیروں کی کیا شکایت کریں ہمارے لیے تو ہماری بہو ہی غیر بن گئی''۔ (۱۵)

پاؤں نہ جمنے پر مقامی باشندوں کو دوشی ٹھہرانا، ہجرت کر کے وطن آنے کو دربدری اور زمین کا تنگ ہونا قرار دینا، اپنوں (مقامی باشندوں) کو غیر کہنا، ایک خاص قسم کے پچھتاوے کو سامنے لاتا ہے۔ ایسا پچھتاوا جس میں ناقابل تلافی غلطی کا احساس چاروں اطراف سے گھیرے ہوئے ہو۔ اوپر جو غیر ضروری توقعات والی بات کی تھی وہ اقتباس کے آخری جملے ''ہماری بہو ہی غیر بن گئی'' سے مزید واضح ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

پنجابی سپیکنگ کردار ''رفیق'' مجو سے کہتا ہے کہ ''مجو بھائی تم اپنے حساب سے کہہ رہے ہو کہ میں نرغے میں ہوں۔ ہمارے لاہوری عزیز نے اپنے حساب سے کہا تھا کہ پاجی، تم نرغے میں ہو۔ یاں سے نکلو۔ بیگم صاحبہ یہی بات اپنے حساب سے کہتی ہیں''۔ (۱۶)

معلوم پڑتا ہے کہ ''لاہوری عزیز'' کا مشورہ اس نسلی تفریق کی بنیاد پر ہے جو دو الگ زبانوں (مادری) اور کلچر کے کارن وجود میں آئی۔

ماضی پرستی یا ماضی کی طرف لوٹنا حال سے نامطمئن اور مستقبل سے مایوسی کی بنا پر ہوتا ہے۔ اس احساس کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں۔ ایک انفرادی سطح پر دیکھے گئے خواب اور طے شدہ توقعات کے عوض جبکہ دوسرا معاشرتی سطح پر استحصالیوں کی جانب سے جائز حقوق غضب کیے جانے پر۔ اس کی ایک مثال دیکھیں جس میں مذہبی بنیاد پر قائم کی گئی ''مسلمان قوم'' سے شکایت بھی کی گئی ہے: ''سب کچھ بھلا کے یاں بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر اب جانے کیوں وہ باتیں یاد آ رہی ہیں، جیسے ابھی کل کی بات ہو''..... ''پھر افسردہ لہجہ میں بولے 'جواد میاں، یہ آج کی بات نہیں ہے۔ مسلمانوں نے کبھی اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا..... ہم اپنی تاریخ کے ڈسے ہوئے ہیں۔ کسی سے نہیں ڈرتے ہم۔ بس اپنی تاریخ سے ڈرتے ہیں''۔ ''یہ مسلمان، خدا انہیں عقل دے، کمبخت اپنی تاریخ کو دہرانے پر تُلے ہیں''۔ (۱۷)

اس مطالعے سے حاصل ہونے والے نتائج میں پہلا یہ ہے کہ مہاجرین (اردو سپیکنگ) کو لاہور نے پناہ نہ دی اور ان کے لئے کراچی ''دارالامان'' ٹھہرا۔ دوسرا یہ کہ جھگیوں میں بسر کرنے والے اردو سپیکنگ مہاجر کراچی کے اصل وارث ہیں جو ان کے بعد آ کر مقیم ہوئے ان کا اس دھرتی سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ کہ کراچی کے لوگ کھلے دل کے مالک ہیں جبکہ لاہوریوں میں تنگ دلی اس حد تک ہے کہ لاہور (پنجاب) میں برس ہا برس رہنے کے باوجود کوئی ''لاہوریا'' نہیں بن سکتا۔ اس بات پر بھی افسوس کیا گیا کہ ہندوستانی مہاجرین پاکستان میں آ کر بھی اپنے حسب نسب اور علاقائی تفاخر سے چھٹکارا نہیں پا سکے۔ مذہب کی بنیاد پر قائم ہندوستانی مسلمان قوم کے رنگ و نسل کے جھگڑوں میں گھر جانے پر دُکھ کا اظہار کیا گیا۔ ایک مکالمے میں ''کراچی'' کی تاریخ کو ''پاکستان'' کی تاریخ قرار دینے کا اشارہ کیا گیا۔ مہاجر مخالف طاقتوں کا بغیر نشانہ دہی کیے ذکر کیا گیا کہ انہیں مہاجرین کی ترقی قبول نہیں۔ اس کے علاوہ ماضی (بعید) پرستی کی مثالیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ بہرحال ناول نگار اپنے نقطہ نظر میں واضح ہے۔ مجموعی طور پر ابہام یا ایہام کی فضا نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نسیم کھرل۔مکسڈ گرل۔وچار پبلشرز یو-ایس-اے۔2008ء۔ص5

۲۔ پاکستان میں اُردو (چوتھی جلد)۔مقتدرہ قومی زبان پاکستان اسلام آباد۔2006ء۔ص2

۳۔ جیوٹی-وی، پاکستان۔21 جنوری2010ء

۴۔ رشید جمال۔سندھ، پنجاب تضاد۔لوحِ ادب پبلی کیشنز کراچی۔مارچ2004ء۔ص277,278

۵۔ انتظار حسین۔آگے سمندر ہے۔سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور۔2007ء۔ص14

۶۔ ایضاً،ص15,16

۷۔ ایضاً،ص38,39

۸۔ ایضاً،ص39

۹۔ ایضاً،ص14, 43

۱۰۔ ایضاً،ص44

۱۱ ایضاً،ص115

۱۲۔ ایضاً،ص120

۱۳۔ ایضاً،ص174

۱۴۔ ایضاً،ص204

۱۵۔ ایضاً،ص217,218

۱۶۔ ایضاً،ص223

۱۷۔ ایضاً،ص299,300,303